Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:2 (1967)

فلسفہ، علم اور قرآن

پر ایمان کی کہانی

۲

☆ الشیخ ندیم الجسر مفتی طرابلس وشمالی لبنان

حیران: مولانا یہ کون سی کتاب ہے ؟

شیخ: یہ کتاب ہمیں ان مفکرّین کی باتیں بتاتی ہے جو اللہ کی تلاش کرتے ہیں۔

حیران: اس کا نام کیا ہے ؟

شیخ: فلاسفۂ یونان۔

حیران: آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ یہ ان مفکرین کی کتاب ہے جو اللہ کی تلاش کرتے ہیں۔

شیخ: ہاں یہ ان مفکرین کی کتاب ہے جو سچے خدا کی تلاش کرتے ہیں۔ کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ فلسفہ کا جوہر ہی اللہ کی تلاش ہے۔

حیران: ان ابتدائی یونانی فلاسفہ کے کچھ اقوال میں نے پڑھے ہیں اور میں نے انہیں کافر پایا ہے۔

شیخ: ہاں! وہ یونانی خداؤں کے منکر ہیں مگر سچے خدا کی تلاش کرتے ہیں۔ لہٰذا بعض تو اس تک راہ پالیتے ہیں اور بعض کی عقل اس کے تصوّر سے عاجز آجاتی ہے۔ اور بعض کا یہ عجز انہیں گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور تو عنقریب دیکھے گا کہ ان کے آراء میں اس بنا پر کہ ان میں ذہانت اور خلوص بحث ہے۔ کائنات کے بارے میں حیرت زدہ سادگی ہے اور ان کے ابہام، اشکال، تناقض، شک اور غلط استدلال کی سیاہ تاریکیوں میں نورِ حق کی چمک بھی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ طالیس [1] اپنی بحث ایک ایسے جھوٹے عقدہ سے شروع کرتا ہے جو صرف فلاسفہ کی عقلوں سے نہیں

---

[1] طالیس (THALIS) یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے اور اس کا تعلق فلسفہ یونان ملیسی (MILESIAN) مکتب کے ساتھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ۵۸۵ء کے گرہن کی پیشگوئی کی تھی۔ وہ مصر گیا، وہ علم حساب اور علم طبیعی کا ماہر تھا۔ اس کے خیال میں تمام جہان کا مادہ اصل پانی ہے۔ (رونز ڈکشنری آف فلاسفی: ۳۱۶)

بلکہ تمام نوع بشر کو درپیش رہا چنانچہ اس کی رائے ہے کہ اس جہاں کا عدم محض سے پیدا ہونا ممکن نہیں اور ہر ابتدا درحقیقت تغیر کے سوا کچھ نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ایک ایسے اولی ازلی مادہ کو فرض کریں جس سے تمام موجودات پیدا ہوئیں اور یہ ازلی مادہ پانی ہے جس چیز نے اسے پانی کے نظریے کو اختیار کرنے پر مجبور کیا، وہ یہ ہے کہ اس نے موجودات کے اندر ایسے مادہ کی تلاش کی جو متغیر ہوتے اور شکل اختیار کرنے کے قابل ہو۔ چنانچہ اس نے دیکھا کہ پانی پہلے مائع ہوتا ہے۔ پھر کبھی کثیف برف بن جاتا ہے اور کبھی لطیف بخارات اور پھر پانی بن جاتا ہے۔ نیز اس نے دیکھا کہ رطوبت زندگی میں شرط ہے لہٰذا اس کا یہ اعتقاد ہوا کہ پانی جس میں یہ خواص پائے جاتے ہیں وہی تمام موجودات کی اصل ہے۔

لیکن انکیمنس[1] کا خیال ہے کہ ہوا پانی کے مقابلے میں زیادہ نرم ہے اور اس میں تغیر و تبدل کی زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے کیونکہ یہ ٹھنڈی ہو کر پانی بن جاتی ہے اور گرم ہو کر بخارات اور اگر اس میں زیادہ انخلال (ترکیب کی ضد) ہو، تو پھر ہوا بن جاتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر ہوا میں انخلال اور زیادہ ہو جائے تو یہ آگ بھی بن جائے اور وہ سورج اور چاند کی تکوین کردے اور اگر کثیف ہو تو بادل بن جائے پھر پانی اور اگر اور زیادہ کثیف ہو جائے تو مٹی اور پتھر بن جائے نیز اس نے یہ خیال کیا کہ یہ زندگی کے لئے ضروری ہے لہٰذا اس لئے اسے اصل کائنات مانا۔

لیکن انکیمندر[2] جس کے افکار گہری سوچ کے حامل ہیں، باوجود اس کے کہ وہ بظاہر احمقانہ نظر آتے ہیں

---

[1] انکیمنس (ANEXIMANES) چھٹی صدی قبل مسیح ۔ طالیس اور انکیمندر (ANEXIMANDER) کی طرح اس کا تعلق بھی فلسفۂ یونان کے ملیسی مکتب فکر سے ہے اس نے بھی موجودات کے مادہ کی تلاش کی جس میں قدرتی دنیا کے متعدد اطوار پائے جاتے ہوں چنانچہ اس نے ہوا کو یہ مادہ قرار دیا۔ اس کے خیال میں ہوا میں لاانتہا کا وصف پایا جاتا ہے اور یہ پانی کے مقابلہ میں قدرتی اختلافات کو زیادہ حل کر سکتی ہے (ڈکشنری آف فلاسفی: ۱۲)

[2] انکیمندر (ANEXIMANDER) چھٹی صدی قبل مسیح۔ اس نے طالیس اور انکیمنس سے مل کر ملیسی مکتب فکر بنایا۔ ان دونوں اور دیگر مفکرین کے ساتھ اس نے قدرت کے متعدد اطوار کی بنیاد ایک ہمہ گیر اصول کو بنایا جسے یہ "لانہایت" کہتا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے "تجربہ" سے باہر قدم رکھا اور اس لانہایت کی طرف "خلود"، "عدم فنا" اور "عدم اختتام" کو منسوب کیا (رونز ڈکشنری آف فلاسفی: ۱۲)

کہتا ہے کہ پانی اور ہوا کو اصل مادہ قرار دینا اشیاء کی تمام صفات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا. چنانچہ پانی کی مخصوص صفات ہیں اور ہوا کی مخصوص صفات - اور دیگر موجودات کی بھی صفات ہیں. لہذا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تمام کائنات اپنی مختلف صفات کے باوجود ایک ایسی اصل سے پیدا ہوئی ہے جو اپنی خاص صفت کی وجہ سے دیگر صفات سے مختلف ہو. یہی وجہ ہے کہ اس کی عقل سلیم نے اسے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ کائنات کی اصل ایک ایسا مادہ ہے جس کی نہ شکل ہے نہ انتہا اور نہ حدود۔

حیران: یہ سچ ہے کہ انکسیمندر کا ایک ایسی چیز کو تلاش کرنا جو اس مختلف کائنات کی اصل ہو لیکن شکل، حد، رسم اور صورت میں سب سے مختلف ہو اس کے تفکر کی گہرائی کی دلیل ہے لیکن اس کا کیا مطلب کہ وہ اسے مادہ کا نام دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کی نہ شکل ہے نہ انتہا اور نہ حدود۔

شیخ: یہیں سے تو سمجھ لے گا کہ جو کچھ میں نے تجھے کہا ہے، سچ ہے. لہذا یہ ابتدائی فلاسفہ یونان کے دیوتاؤں کا انکار کرنے میں معذور ہیں اور اس بات میں وہ حق پر ہیں کہ اپنی آزاد عقل سے جہاں کی اصل کی تلاش ان دیوتاؤں کے سوا کہیں اور کریں، جن میں کہ انسانوں کی تمام صفات، اخلاق اور رذائل پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کی عقلیں اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی تھیں کہ یہ جہاں ان بڑے پیٹوں والے شراب نوش جھوٹے مکار اور زانی دیوتاؤں کا پیدا کردہ ہو. چنانچہ انھوں نے بغیر اس کا شعور کئے اس سچے خدا کی تلاش شروع کی جس کی کہ کوئی مثل نہیں۔

اس کے بعد فیثا غورس[1] آیا. اسے یہ رائے پسند نہ آئی جس میں کہ دنیا کی پیدائش کی تشریح "طبعی" نقطۂ نظر سے کی گئی تھی. لہذا اس نے اس کی تفسیر میں ریاضی نقطۂ نگاہ کو اختیار کیا. چنانچہ یہ اور اس کے متبعین کہتے ہیں: پانی ہوا اور ہر مادہ خواہ کسی قسم کا ہو، اس جہاں کی اصل نہیں ہو سکتا جو مختلف مادی

---

[1] فیثا غورس (PYTHAGORAS) (تقریباً ۵۷۲ تا ۴۹۷ قبل مسیح) فیثا غورس اور اس مکتب فکر کے دیگر لوگ چوتھی صدی قبل مسیح کے اختتام تک رہے. فلسفہ فیثا غورس میں ثنویت (DUALISM) پائی جاتی ہے اس لئے کہ اس میں تخیل اور حواس، روح اور جسم، اعداد اشیاء اور ان کے ظاہری وجود میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ فیثا غورس کے خیال میں ہر چیز کا مادہ اعداد ہیں اور تمام مظاہر حسابی نسبتوں کے حسی اظہار ہیں. ان کے خیال میں تمام کائنات میں ایک تنظم پایا جاتا ہے. فلسفہ اور ریاضی کے علاوہ ان کے ہاں دینی اخوت پائی جاتی تھی ان کا تناسخ اور سوفانیت پر عقیدہ تھا (ڈکشنری آف فلاسفی ۲۵۹-۲۶۰)

اور غیر مادی اشیاء سے مرکب ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم ایسی عام چیز کی تلاش کریں جو مادی اور غیر مادی ہر قسم کی چیز پر مشتمل ہو۔ اور صفت عدد کے سوا کوئی ایسی صفت نہیں جو مادی اور غیر مادی جہاں پر مشتمل ہو۔ ہم رنگ بُو، ذائقہ اور حجم کے بغیر بھی ان چیزوں کا تصور کر سکتے ہیں مگر ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی چیز شمار نہیں کی جا سکتی لہذا عدد ہی ایک ایسی مشترک صفت ہے جس سے دنیا کی ہر چیز متصف ہے اور یہی ایک چیز دنیا کی اصل ہو سکتی ہے اور چونکہ دنیا کی تمام اشیاء سوائے تکرار اعداد کے کچھ نہیں اور اعداد کیا ہیں ؟ ایک کی تکرار لہذا دنیا کی اصل، اس کی علت اور حقیقت ایک کا عدد قرار پایا۔

یہ تجریدی آراء باوجود اپنے خیالی مبالغہ کے، سب کی سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں نے ایسے سچے خدا کے خیال تک پہنچنے کا قصد کیا جو مادہ کی صفات سے پاک ہو اور یہ سب شعوری اور لاشعوری حالت میں کیا۔

حیران: کیا ان قدیم یونانیوں کے ہاں اپنے دیوتاؤں کے سوا کسی اور خدا کا تخیل پایا جاتا تھا۔

شیخ: جب سے انسان انسان بنا اور جب سے وہ اس غور و فکر کرنے والی عقل سے ممتاز ہوا، دنیا سچے خدا کے وجود کے خیال سے خالی نہیں رہی۔

اکزنوفنس[1] قدیم یونانی فلاسفہ میں سے ہے جو اپنے معاصرین پر فوقیت لے گیا اور اس نے ان یونانی افسانوں کا جن میں یہ عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کا انسانوں کی طرح جسم ہوتا ہے' بالکل انکار کر دیا اور ان کے ان دیوتاؤں کا تمسخر اڑایا جو کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں۔ بچے پیدا کرتے ہیں اور مرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "لوگوں نے یہ خدا گھڑ لئے ہیں اور ان کی تصاویر اپنی شکل کے مطابق بنالی ہیں۔ اگر بیل، شیر اور گھوڑے تصویر بنانا جانتے ہوتے تو وہ خدا کی تصویر اپنی شکلوں کے مطابق بیل یا شیر یا گھوڑے کی صورت میں بناتے

---

[1] اکزنوفنس (XENOPHANES OF COLOPHON) تقریباً ۵۷۰ قبل مسیح تا ۴۸۰ قبل مسیح یہ فیثاغورس کا ہمعصر اور آنکسمندر کا شاگرد تھا۔ اس نے مظاہر قدرت کا مطالعہ کیا اور اس کے خیال میں تمام زندہ مخلوق کی کوئی نہ کوئی اصل تھی اور نباتات و حیوانات کی اصل فطری تھی۔ اس کا قول ہے۔ ایتھوپیا کے خدا سیاہ جلد اور چپٹی ناک والے ہیں۔ تھریس والوں کے خدا خوبصورت اور نیلی آنکھوں والے ہیں۔ اور اگر بیل تصویر کھینچ سکتے تو ان کے خدا بھی بیل ہی ہوتے۔ (ڈکشنری آف فلاسفی : ۳۴۰)

ایسا ہرگز نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا موجود نہیں ہے وہ تمام موجودات سے ارفع ہے وہ نہ تو ہماری طرح کا مرکب ہے اور نہ ہماری طرح سوچتا ہے بلکہ وہ ہمہ تن بصر، ہمہ تن سماعت اور ہمہ تن فکر ہے۔" رہا اس ایک عظیم خدا کی حقیقت کو معلوم کرنا تو اس کے متعلق اکزنوفنس کا خیال ہے کہ ہماری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اس سلسلہ میں اس نے وہ بات کہی ہے جس کی وجہ سے وہ مابعد الطبیعات کی تاریخ میں دو ہزار سال آگے نکل گیا ہے۔ (کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح سے نہیں پہچان سکتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی انسان اتفاق سے اللہ کی صفت کے متعلق کلی طور پر حق بات کہے تو وہ خود بھی یہ نہیں جانے گا کہ وہ حق کہہ رہا ہے۔)

حیران: مولانا! آپ کے یہ کہنے سے کہ اکزنوفنس اپنے اس قول کی وجہ سے دو ہزار سال آگے نکل گیا ہے، مجھے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فلسفہ اللہ کے وجود پر ایمان پر پہنچ گیا ہے۔ جب بات یہی ہے تو میں جناب سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اور اپنے آپ کو ان قدیم لوگوں کی ان خرافات سے نجات دلائیں گے جن کا کچھ حصہ میں نے پشاور میں پڑھا تھا۔ اور اب مجھے جدید فلسفہ کی طرف لے جائیں گے۔

شیخ: میں پہلے ہی تمہیں صبر کی تلقین کر چکا ہوں۔ اب میں اس نصیحت کو پھر دہراتا ہوں کیونکہ اس سے تجھے کوئی نفع نہ ہوگا کہ میں تمہیں بدون اس کے کہ تو جان لے کہ ابتدائی اور درمیانی زمانہ کے لوگوں نے کیا کہا، ایک ہی قدم اٹھا کر اس نتیجہ تک لے جاؤں جہاں اس فلسفہ کی انتہا ہوتی ہے جس نے تمہارے خیالات کو مشغول کر رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پچھلے لوگوں کی رائے تمہیں پسند نہ آئے اور کوئی آکر تم میں یہ وسوسہ ڈال دے کہ حقیقت اوائل کے پاس ہے۔ اس سے تمہارے شکوک پھر لوٹ آئیں گے اور تو دوبارہ حیرت میں پڑ جائے گا اور تو پچھلے لوگوں کو اس وقت تک اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکے گا۔ جب تک تو پہلے اگلے لوگوں کو نہ جان لے لہذا صبر کرو۔

حیران: فکر و تدبر کے سلسلوں میں ربط قائم رکھنے میں میں جناب کی حکمت کو سمجھ گیا ہوں، لہذا امید ہے کہ آپ مجھ سے اس کا مواخذہ نہ کریں گے۔

شیخ: اس کے بعد بارمنیدس[1] (PARMENIDES) آیا جس کی رائے میں پانی ہوا اور عدد یا کوئی

---

[1] بارمنیدس (PARMENIDES) چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح۔ فلسفہ یونان الیاتی (ELEATIC)*

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور چیز اشیاء کی اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے کہ تمام چیزیں تغیر پذیر ہیں اور ہمیں صرف ان کی ظاہری صفات ہی معلوم ہیں اور ایک صفت کے سوا جو کہ صفت وجود (BEING) ہے، تمام صفات کو تغیر اور فنا لاحق ہوتی ہے۔ لہٰذا اسی دائمی وجود کو صحیح طور پر ہم کائنات کی اصل بتا سکتے ہیں۔

حیران: یہ "وجود" کیا ہے اور اس کی اس سے کیا مراد ہے؟

شیخ: بارمنیدس بیان کرتا ہے کہ یہ ایک ازلی وجود ہے جو نہ بدلتا ہے اور نہ فنا ہوتا ہے اور اس کا نہ ماضی ہے نہ مستقبل بلکہ تمام ازل و ابد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ نہ حرکت کرتا ہے نہ اس کے اجزاء ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ حرکت تبدیلی کی ایک صورت ہے اور وہ تو "کامل" ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور وجود بھی نہیں ہے۔

حیران: وجود حرکت اور تغیر سے کیسے مبرا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم ان چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ یہ حرکت بھی کرتی ہیں اور متغیر بھی ہوتی ہیں۔

شیخ: بارمنیدس کی یہ رائے نہیں کہ اشیاء جنہیں ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، وجود ہیں بلکہ وہ انہیں وہمی مظاہر سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فانی ہیں اور وجود ابدی ہے نیز یہ کہ یہ اشیاء متغیر ہوتی ہیں اور تغیر سے وجود اور عدم وجود کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ ناممکن ہے۔

حیران: میں نہیں سمجھ سکا۔ کیا بارمنیدس کی مراد وحدت الوجود سے ہے؟

شیخ: اے حیران! عقل کے اندر تجرید اسی طرح کام کرتی ہے کیونکہ یہ فلاسفہ درحقیقت موجودات کا انکار کرنا نہیں چاہتے۔ وہ صرف ایک ایسی کامل اصل کی تلاش میں ہیں جو مستقل غیر متغیر موجودات کی صفات سے پاک ہو اور انہیں پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔ میری جان کی قسم۔ یہی بغیر ارادہ اور بغیر شعور

※ مکتب فکر کا رئیس۔ اس نے نظریۂ وجود (BEING) کو ہرقلیطس کے نظریۂ صیرورۃ (BECOMING) کے مقابلہ میں ترقی دی۔ یہ کہ نہ تخیل بغیر وجود کے ہو سکتا ہے اور نہ وجود بغیر تخیل کے۔ لہٰذا دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔ وجود بارمنیدس کے نزدیک وہ ہے جو جگہ کو پُر کرے اور عدم وجود خلا ہے۔ لہٰذا خلا نہیں ہو سکتا اور جب خلا (VOID) نہیں ہو سکتا تو انفرادی اشیاء کا تعدد بھی اصلی نہیں ہو سکتا کیونکہ پُر (FULL) جگہ سے خلا (VOID) کی طرف حرکت کے نتیجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا بارمنیدس کہتا ہے کہ صرف ایک وجود ہے اور یہی ایک حقیقت ہے۔ (ڈکشنری آف فلاسفی: ۲۲۵)

کے اللہ کی تلاش ہے۔

پارمنیدس کے بعد اس کا شاگرد ملیسوس[۱] آیا۔ اور اس نے اپنے استاد کی رائے میں اس بات کا اضافہ کیا کہ یہ وجود "غیر متناہی اور اس میں عاقلانہ حیات پائی جاتی ہے۔" اگر تو وجود کے ازلی، ابدی، غیر متناہی، غیر متحرک، ذی حیات عاقلہ ہونے پر اس کے دلائل سن لے تو تو مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہے گا کہ یہ عقلیں دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ واحد اور احد کی تلاش کر رہی تھیں۔

یہ کہتا ہے کہ ہر حادث کے لئے مبداء کا ہونا ضروری ہے اور وجود حادث نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ حادث ہوتا تو یہ لاوجود سے ہوتا۔ لہذا وجود کا کوئی مبداء نہ ہوا۔ اور جس کا مبداء نہیں اس کی انتہا بھی نہیں۔ اور چونکہ یہ غیر متناہی ہے اس لئے یہ متحرک بھی نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کوئی جگہ بھی نہیں جہاں یہ حرکت کر کے جائے اور وہ غیر متغیر ہے کیونکہ اگر یہ متغیر ہو تو ایک سے زائد بن جائے۔ لہذا وہ ایک ازلی ابدی زندہ عاقل اور غیر متغیر ہے۔ ...... حیران! اس پر غور کرو۔

پھر ہرقلیط[۲] (HERACLITUS) آیا جو تجریدی اور طبیعی میلان کے درمیان متذبذب ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اشیاء جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہمیشہ بدلتی اور پلٹتی رہتی ہیں۔ یہ ایک لحظہ کے لئے بھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں اور یہ اضافی قرار جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں محض وہم اور اس تغیر کو دیکھنے سے اپنی عاجزی ہے اور اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک ہی چیز ایک ہی آن میں موجود بھی ہو سکتی ہے اور غیر موجود بھی اور وجود اور لاوجود کے درمیان یہ وقتی اتحاد صیرورت (BECOMING) ہے جو وجود کی حقیقت ہے۔

---

[۱] ملیسوس (MLISSUS) تقریباً ۵۰۴ قبل مسیح۔ یہ ساموس (SAMOS) کا رہنے والا تھا۔ اس نے اس الیاتی نظریہ کا حتمی ثبوت پیش کیا کہ وجود ایک اور ابدی ہے۔ غیر متحرک اور غیر متغیر ہے۔ ہمارے حواس ہمیں دھوکا دیتے ہیں۔ اس کی تصانیف آئی اونی (IONIE) زبان میں ہیں۔ (ڈکشنری آف فلاسفی: ۱۹۵)

[۲] ہرقلیطا HERACLITUS) افسوس (EPHESUS) کا رہنے والا تھا۔ تقریباً ۵۳۶ تا ۴۷۰ قبل مسیح اس نے ملیسی مکتب کی مخالفت میں یہ کہا کہ کسی چیز کو دنیا میں ثبات حاصل نہیں۔ اشیاء اور جہاں ہر لحظہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے دنیا اسے ابدی آگ معلوم دیتی جو سب کو جھلس دے، صرف REASON یا DESTINY قائم رہتی ہے (ڈکشنری آف فلاسفی: ۱۲۴-۱۲۵)

لیکن ہرقلیط اس خیال پر قائم نہیں رہتا بلکہ قدیم طبیعی میلان کی طرف لوٹتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کی اصل آگ ہے جو بدل کر ہوا بنی۔ پھر ہوا پانی بن گئی اور پانی خشک ہوا۔ پھر لوٹ کر خشک پانی، پھر ہوا، پھر آگ بن جائے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دیکھا کہ حرارت حیوان کی زندگی کا ساتھ دیتی ہے لہذا اس نے خیال کیا کہ خود روح سے مراد آگ ہے۔

امبدوقلس[1] جو عناصر اربعہ کا فلسفی ہے، آیا۔ پہلے اس نے بارمنیدس اور ہرقلیط کے فلسفہ کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور کہا: وجود ذرات سے پیدا ہوا ہے اور بارمنیدس کا یہ کہنا کہ وجود میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی یہ بات ذرات پر پوری اترتی ہے اور ہرقلیط نے جو کچھ دائمی "صیرورت" کے متعلق کہا ہے وہ اجسام پر صادق آتا ہے کیونکہ اس میں متغیر شدہ صورتیں ہوتی ہیں۔ پھر اس نے چاہا کہ ان لوگوں کے درمیان جو یہ کہتے ہیں کہ جہاں ایک ہی مادہ سے بنا ہے جو متغیر ہوتا ہے مثلاً پانی، ہوا، آگ اور ان لوگوں کے درمیان جو یہ کہتے ہیں کہ وجود کا مادہ نہیں بدلتا۔ ایک درمیانی رائے قائم کرے لہذا اس نے عناصر اربعہ کا نظریہ گھڑا جو اٹھارھویں صدی تک لوگوں پر مسلط تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وجود چار عناصر کا مجموعہ ہے (خاک۔ پانی۔ آگ اور ہوا) اور تمام اشیاء کے اندر انہی کا امتزاج پایا جاتا ہے اور ان کے اندر جو اختلاف ہوتا ہے وہ ہر ایک کے اندر ان عناصر کی نسبت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں تک تو امبدوقلس اپنے زمانہ کے علم کے مطابق چلتا ہے بلکہ ذری مبداء کے تخیل کو ایجاد کرنے میں وہ اپنے زمانہ سے سبقت لے گیا ہے لیکن جب وہ اس قوت کے راز پر بحث کرنا شروع کرتا ہے جو ذرات کو متحرک کرتی ہے تو وہ فکرِ سلیم سے شروع کرتا ہے اور بے نتیجہ خیال تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو ہم اسے یہ کہتا دیکھتے ہیں کہ موجودات کا مادہ مردہ ہے جس میں نہ زندگی ہے اور نہ اس کی اپنی ذاتی حرکت ہے اور یہ تسلیم کر لینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ان کی حرکت کسی بیرونی قوت سے پیدا ہوئی ہے۔ دوسری طرف ہم اسے اس خیال کی طرف

---

[1] امبدوقلس (EMPEDOCLES)۔ اغربنتم (AGRIGENTUM) کا رہنے والا۔ تقریباً ۴۹۰ تا ۴۳۰ قبل مسیح۔ اس نے ایلیاتی مکتب فکر کے "وجود" کو ہرقلیط کے تغیر و تحرک کے تجربہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اس نے عناصر اربعہ کا درس دیا (یعنی۔ خاک۔ پانی۔ ہوا اور آگ) جن کے امتزاج سے تمام موجودات وجود میں آئیں اس کے نزدیک اس حرکت کا سبب محبت اور نفرت ہے اور یہی ان کے امتزاج کا بھی سبب ہے۔ اس نے کون کی تفسیر میں "نظریہ اقدار" (THEORY OF VALUE) کو داخل کیا اس لئے کہ محبت اور نفرت ہی دنیاوی خیر اور شر کا سبب ہے۔ (ڈکشنری آف فلاسفی: ۸۹)

مائل ہوتا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ مادہ کی حرکت سے مراد اتصال و انفعال ہے اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک ہی قوت سے دونوں پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کے لئے دو الگ الگ قوتوں کا ہونا ضروری ہے جن میں سے ایک دُور دھکیلے اور دوسری کھینچے اور یہ دو قوتیں محبّت اور نفرت ہے اور یہ کہ عناصر اربعہ محبّت کی قوت کی وجہ سے متصل تھے پھر نفرت کی قوت نے انہیں چار الگ الگ عناصر میں کر دیا۔ اس کے بعد پھر محبّت نے اپنی قوت کو اکٹھا کیا اور ان عناصر اربعہ کو مرکب کرنے کی کوشش کی لہذا یہ اشیاء جنہیں ہم دیکھتے ہیں، پیدا ہو گئیں۔

حیران : لیکن یہ محبّت اور نفرت کی قوتیں کہاں سے آئیں ؟

شیخ : کیا تم ایک ایسی رائے پر بحث کرنا چاہتے ہو جو محض خیال پر مبنی ہے ؟ اس نے تو صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک کہا کہ دیوتا اور نفوس بھی انہی عناصر اربعہ سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ہوا اور آگ کے عنصر کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ آگ کا دیوتا ادس ہے، ہوا کا ہیرا، زمین کا ادکوس اور پانی کا نستیس۔ جب یہ روتا ہے تو اس کے آنسو نمی کی صورت میں زمین پر گرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس بکواس میں اتنا بڑھا کہ ہم سب کو دیوتا بنا دیا چنانچہ وہ کہتا ہے :

انسانی نفوس بھی خطا کار دیوتاؤں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ جن کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ سعادت مند لوگوں کے مقام سے دُور اور فانی صورتوں کے جسم میں ملبوس رہیں نیز یہ کہ زندہ اجسام زمین میں جب اُگتے ہیں تو بغیر گردن کے سر، بغیر کندھوں کے بازو اور بغیر ماتھوں کے آنکھیں ہوتے ہیں۔ پھر حب کی قوت سے یہ ایک دوسرے کے قریب آ کر انسان بن جاتے ہیں۔

حیران : میں پھر پہلی بات کہتا ہوں اور جناب سے یہ امید کرتا ہوں کہ ان حماقتوں کے ذکر کو ختم کریں

شیخ : میں نے ان اقوال کو تمہارے سامنے اس لئے بیان کیا ہے کہ تجھے دکھاؤں کہ موجودات کو سمجھنے اور اس قوت کے تلاش کرنے میں جو اسے چلاتی اور حرکت دیتی ہے، عقول کس طرح بتدریج چلیں۔ چنانچہ فلسفہ کے تمام ادوار کے دوران یہ بحث مسئلہ مابعد الطبعیات کے بہت بڑے حصے پر حاوی رہی۔ صبر کرو۔ میں تمہیں اصل غرض تک لے جاؤں گا۔